12

احمدیت کی اشاعت کے لئے اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو وقف کرنا رضاءِ الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے

(فرمودہ 12 /اپریل 1946ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"قادیان کے اور باہر کے سکولوں کے امتحانات یا تو ہو چکے ہیں یا عنقریب ختم ہونے والے ہیں۔ ہم نے یہ قانون پاس کیا ہوا ہے کہ مدرسہ احمدیہ میں مڈل پاس لڑکے لئے جائیں اور چار سال میں وہ مدرسہ احمدیہ کا ابتدائی کورس پاس کر کے پھر جامعہ احمدیہ میں داخل ہوں۔ مَیں نے کئی دفعہ بتایا ہے کہ ہماری جماعت جس حد تک پہنچ چکی ہے وہ ایک ایسا مقام ہے جس میں درحقیقت ہمیں ہندوستان اور اس سے باہر تبلیغ کرنے کے لئے ایک سو مبلغ سالانہ کی ضرورت ہے۔ ایک سو مبلغ سالانہ کے معنے یہ ہیں کہ اگر آج سے ایک سو مبلغ ہمیں حاصل ہوں تو دس سال کے بعد ایک ہزار مبلغ ہم کو میسر آ سکتے ہیں حالانکہ دنیا کی آبادی اور اس کی وسعت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ تعداد کچھ بھی چیز نہیں۔ درحقیقت دنیا میں صحیح طور پر تبلیغ کرنے کے لئے ہمیں اس سے بہت زیادہ مبلغین کی ضرورت ہے۔ مگر کم سے کم ہمارا پہلا قدم اتنا تو ہونا چاہئے کہ ہم ہندوستان اور اس سے باہر تبلیغ کے لئے ایک ہزار مبلغین کا اندازہ رکھیں۔ اس وقت ہمارے ہندوستانی اور غیر ہندوستانی مبلغ جہاں تک مَیں سمجھتا ہوں ساٹھ ستّر کے قریب تو افریقہ میں ہیں اور پچیس کے قریب افریقہ کے علاوہ دوسرے ممالک میں ہیں۔

غیر ممالک میں جو مقامی مبلغ مقرر کر لئے جاتے ہیں اُن کی تعداد کا سوائے افریقہ کے کوئی صحیح اندازہ نہیں۔ بہرحال یہ 85 کے قریب مبلغ تو باہر کے ہوگئے۔ ستّر اسّی کے قریب ہندوستان میں بھی ہمارے مبلغ موجود ہیں اور پچاس کے قریب دیہاتی مبلغ تیار ہو رہے ہیں۔ ان سب کو اگر شامل کر لیا جائے تو یہ تعداد دو سو کے قریب بن جاتی ہے مگر ان دو سَو مبلغین میں سے بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ مبلغ بہت کم ہیں۔ وہ مولوی فاضل یا گریجوایٹ جن کو ہم نے باقاعدہ تعلیم دلوائی ہے اگر ان سب کا اندازہ کیا جائے تو وہ ساٹھ ستّر سے زیادہ نہیں نکلیں گے۔ باقی سب ایسے ہی ہیں جنہیں وقتی ضرورت کے ماتحت تبلیغ کے کام پر لگا لیا گیا ہے۔ جہاں تک تبلیغ کے کام کا سوال ہے وہ اس کام کو بخوبی کر سکتے ہیں مگر جہاں تک سلسلہ کے مسائل کو کَمَاحَقُّہٗ سمجھنے کا سوال ہے وہ خود بھی ان مسائل کو کَمَاحَقُّہٗ نہیں سمجھ سکتے۔ کُجا یہ کہ دوسروں کو سمجھانے کی قابلیت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا میں کوئی بھی جماعت ایسی نہیں ہو سکتی جس کے تمام افراد علمی لحاظ سے ایک ہی سطح پر ہوں۔ ضرور اُن میں سے کچھ زیادہ علم رکھنے والے ہوتے ہیں اور کچھ کم علم رکھنے والے ہوتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں حضرت ابو بکرؓ بھی تھے، حضرت علیؓ بھی تھے، حضرت عمرؓ جیسے انسان بھی تھے مگر ساتھ ہی بعض اس قسم کے بھی صحابہؓ تھے جو مسائلِ اسلامیہ کو کَمَاحَقُّہٗ سمجھنے کی استعداد اپنے اندر نہیں رکھتے تھے۔ چند موٹے موٹے مسائل سمجھ لیتے اور اسی پر وہ اکتفا کرتے تھے جیسے حضرت بلالؓ تھے۔ یا فقہی مسائل کو سمجھنے کا مادہ اپنے اندر نہیں رکھتے تھے۔ گو ظاہری علم ان کا زیادہ تھا جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ بہرحال کسی جماعت میں بھی سارے افراد یکساں طور پر ترقی یافتہ نہیں ہوتے۔ ہمارے ملک میں بھی مثل مشہور ہے کہ

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

یعنی خدا تعالیٰ نے انسان کی پانچ انگلیوں کو بھی برابر نہیں بنایا۔ ان میں بھی کوئی چھوٹی ہے اور کوئی بڑی۔ مگر جہاں یہ حقیقت ہے کہ کسی جماعت کے تمام افراد علمی لحاظ سے ایک ہی سطح پر نہیں ہوتے وہاں اِس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کچھ نہ کچھ سطح کا برابر ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے انسان کی پانچوں انگلیوں کو برابر نہیں بنایا۔

لیکن اگر ایک انگلی بغل کے پاس ہوتی اور ایک انگلی ہاتھ کے سرے پر تو کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ اس فلسفہ کے ماتحت کہ خدا نے پانچ انگلیوں کو برابر نہیں بنایا بغل والی انگلی ہتھیلی کے ساتھ والی انگلی سے مل کر کوئی کام کر سکتی؟ یقیناً وہ کوئی کام نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ پہلی صورت میں انگلیوں میں فرق تو ہے مگر زیادہ فرق نہیں اور دوسری صورت میں دونوں انگلیوں کے درمیان اتنا بڑا فرق پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ کسی صورت میں بھی آپس میں مل کر کام نہیں کر سکتیں۔ پس دو چیزوں میں فرق تو بے شک ہوتا ہے مگر وہ فرق ایسا ہی ہونا چاہئے کہ بڑی چیز اپنے آپ کو نیچا کر سکے اور نیچے والی چیز اپنے آپ کو اونچا کر سکے۔ چنانچہ دیکھ لو خدا تعالیٰ نے پانچوں انگلیاں بے شک برابر نہیں بنائیں مگر لقمہ اٹھاتے اور منہ میں ڈالتے وقت وہ پانچوں انگلیاں برابر ہو جاتی ہیں۔ بڑی انگلی نیچے جھک جاتی ہے اور چھوٹی انگلی اونچا ہونے کی کوشش کرتی ہے اور اِس طرح ساری انگلیاں باوجود آپس میں فرق رکھنے کے برابر ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جماعتوں کے افراد میں اگر باہمی فرق اتنا زیادہ ہو کہ وہ آپس میں مل ہی نہ سکیں۔ ایک زمین کی کہتا ہو اور دوسرا آسمان کی۔ تو ایسی جماعت کبھی عمدگی سے کام نہیں کر سکتی۔ ہاں اگر فرق تو ہو لیکن وقت آنے پر اوپر کے درجہ والا نیچے جھک جائے اور چھوٹے درجے والا اوپر اٹھنے کی کوشش کرے تو وہ جماعت یقیناً کامیاب ہو جاتی ہے۔ جیسے ایک بچہ کو جب باپ پیار کرنے لگتا ہے تو ایک طرف بچہ اپنی ایڑیوں کے بل کھڑا ہو جاتا ہے اور دوسری طرف باپ اس کو پیار کرنے کے لئے نیچے کی طرف جھکتا ہے۔ لیکن اگر بچے کا قد چیونٹی کے برابر ہوتا تو تم سمجھ سکتے ہو کہ نہ باپ اِس قدر نیچے جھک سکتا اور نہ بچہ اس قدر اونچا ہو سکتا کہ وہ اپنے باپ کے پیار کو حاصل کر سکتا۔ اتنا بڑا فرق جب بھی پیدا ہو جائے قومی ہلاکت اور تباہی کا موجب بن جاتا ہے۔ اور جب کسی جماعت کے افراد کے اندر اتنا بڑا فرق سخت مُضِر ہوتا ہے تو مبلغین کے اندر اگر اسی قسم کا تفاوت پیدا ہو جائے تو وہ کیوں مُضِر نہیں ہو گا۔

بہرحال جب تک ہماری ساری جماعت علمی معیار کے لحاظ سے بلندی تک نہیں پہنچ جاتی اور جب تک ہماری جماعت موجودہ علمی حالت سے کئی گنا زیادہ ترقی حاصل نہیں کر لیتی اس وقت تک ہمیں اَور بھی زیادہ ضرورت اس امر کی ہے کہ بڑے بڑے علماء ہماری جماعت میں ہر وقت

تیار رہیں اور اتنی بڑی تعداد میں رہیں کہ جماعت کو ضرورت کے وقت وہ آسانی کے ساتھ سنبھال سکیں۔ اگر ہم ایسا نہیں کریں گے یا اتنی بڑی تعداد میں اپنی جماعت میں علماء پیدا نہیں کریں گے کہ وہ ضرورت کے وقت جماعت کو سنبھال سکیں اس وقت تک ہر ٹھوکر کے وقت جماعت کے گرنے کا خطرہ ہو گا۔ اور علمی لحاظ سے بھی جماعت کبھی اتنی ترقی نہیں کر سکے گی کہ ضرورت کے وقت اس کے افراد آپ آگے بڑھیں اور جماعتی بوجھ کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیں۔ پس ضروری ہے کہ جماعت کے بڑھنے کے ساتھ ہی علماء کی تعداد بھی ہماری جماعت میں بڑھتی چلی جائے۔ اس وقت ہماری جماعت میں علماء پیدا کرنے کا ذریعہ مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے جب ہماری ضروریات کے لئے صرف مرکزی مدارس ہی نہیں ہندوستان کے کالج اور سکول بھی کافی نہیں ہوں گے اور ہمیں دنیا کے گوشہ گوشہ میں مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ قائم کرنے پڑیں گے۔ بلکہ ہر برِاعظم میں ہمیں ایک بہت بڑی یونیورسٹی قائم کرنی پڑے گی جو دینیات کی تعلیم دینے والی ہو اور جس سے تبلیغ کو زیادہ سے زیادہ وسیع کیا جاسکے۔ مگر جب تک ہمارا یہ خواب پورا نہیں ہوتا اور جب تک ہمیں ایسے سامان میسر نہیں آتے اس وقت تک ہمیں کم سے کم اتنا تو کرنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں اس جگہ جو مدرسہ عطا فرمایا ہے اور جو جماعت میں علماء پیدا کرنے کا واحد ذریعہ ہے اس کی ترقی کے زیادہ سے زیادہ سامان مہیا کریں۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جماعت نے اس مدرسہ کی طرف ابھی تک پوری توجہ نہیں کی۔ مَیں نے پچھلے سال جماعت کو مدرسہ احمدیہ کی طرف توجہ دلائی تھی۔ جس کے نتیجہ میں جماعت میں بیداری پیدا ہوئی اور تیس بتیس کے قریب لڑکے مدرسہ احمدیہ کی پہلی جماعت میں شامل ہوئے۔ گو دورانِ سال میں یہ تعداد کچھ کم ہو گئی کیونکہ بعض لڑکے ایسے تھے جنہیں ماں باپ نے واپس بُلا لیا اور بعض لڑکے ایسے تھے جو خود ہی بھاگ گئے۔ اس طرح آٹھ دس کے قریب تعداد میں کمی واقع ہو گئی۔ مگر پھر بھی جو تعداد باقی رہی وہ پہلے سالوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی۔ پہلے ہر سال صرف تین چار لڑکے مدرسہ میں داخل ہوتے تھے مگر اس تحریک کے نتیجہ میں قریباً تیس بتیس ہو گئے۔ ان میں سے اگر پچیس چھبیس لڑکے بھی پاس ہو جائیں تو اس کے

معنے یہ ہیں کہ ہمیں آج سے چند سال کے بعد پچیس چھبیس مبلغ ملنے شروع ہو جائیں گے۔ یہ حالت پہلی حالت سے یقیناً بہتر ہے کیونکہ پہلے یہ تعداد دو تین پر آ کر رُک چکی تھی مگر اب پھر یہ تعداد بڑھتے بڑھتے پچیس چھبیس تک پہنچ گئی ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ گو باقی تمام پنجاب کی نسبت ہمارے علماء بہت زیادہ ہیں پھر بھی ہماری ضروریات کے لحاظ سے یہ تعداد بہت کم ہے۔ سارے پنجاب میں جس قدر مولوی فاضل پاس ہوتے ہیں ان میں سے چالیس فیصدی احمدی ہوتے ہیں مگر یہ نسبت بھی ایسی ہے جس میں ہم پہلے مقام سے اب گر گئے ہیں۔ پہلے یہ حالت ہوا کرتی تھی کہ احمدی اگر اَسّی فیصدی ہوتے تھے تو غیر احمدی بیس فیصدی ہوتے تھے۔ آہستہ آہستہ ہماری تعداد گرتی گئی اور ان کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ گویا دونوں طرف سے فرق پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ ہماری طرف سے مولوی فاضل کا امتحان دینے والے کم ہوتے چلے گئے اور اُن کی طرف سے مولوی فاضل کا امتحان دینے والے بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ ہم اَسّی فیصدی سے گر کر چالیس فیصدی پر آ گئے۔ اب میری طرف سے جو تحریک کی جارہی ہے کہ دوستوں کو اپنے بچے مدرسہ احمدیہ میں داخل کرنے چاہئیں۔ اگر یہ تحریک کامیاب طور پر جاری رہے تو امید کی جاسکتی ہے کہ چند سالوں میں ہی ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے پچاس ساٹھ بلکہ سترّ فیصدی تک پہنچ سکتے ہیں۔ بہرحال گو تعداد ہماری زیادہ ہے مگر کام کرنے والوں کے لحاظ سے یہ تعداد زیادہ نہیں۔ ہماری جماعت میں سے پچاس ساٹھ طلباء مولوی فاضل کے امتحان میں ہر سال ضرور کامیاب ہونے چاہئیں بلکہ پچاس ساٹھ مولوی فاضل بھی بہت کم ہیں کیونکہ ہماری ضروریات اس سے زیادہ ہیں۔ پھر ہمارے سامنے ترقی کا جو وسیع پروگرام ہے اس کے لحاظ سے قطعی طور پر علم کا وہ معیار کافی نہیں سمجھا جاسکتا جو اس وقت ہماری جماعت میں پایا جاتا ہے۔ جب تک صرف احمدیت کو سمجھنے کا سوال تھا، جب تک احمدیت کو سمجھ کر لوگوں کے کانوں تک اس کی آواز کو پہنچانے کا سوال تھا اس وقت تک ہمیں اور قسم کے علوم کی ضرورت تھی، اگر ہم قرآن کریم کو سمجھ سکتے اور دوسروں کو سمجھا سکتے تھے۔ اگر ہم احمدیت کو سمجھ سکتے اور دوسروں کو سمجھا سکتے تھے تو یہ بات ہمارے لئے کافی تھی کیونکہ احمدیت کی غرض اس سے پوری ہو جاتی تھی۔ لیکن اگر ہم نے دنیا میں باہر نکلنا ہے، اگر ہم نے عرب علماء سے بھی ٹکر لینی ہے اور اگر مروّجہ علوم

کے بڑے بڑے ماہرین کا ہم نے مقابلہ کرنا ہے تو پھر لازمی طور ہمیں اپنے ظاہری علوم کا معیار بھی بڑھانا پڑے گا۔ ہم جس قسم کے علماء تیار کرتے رہے ہیں یا تیار کر سکتے تھے وہ ایسے ہی تھے کہ جہاں علمی لحاظ سے وہ قرآن کریم اور احادیث کو علماءِ ازہر سے بہتر سمجھتے تھے وہاں اگر عربی زبان میں گفتگو کرنے کا سوال آجاتا تھا یا بعض خاص قسم کی اصطلاحات کا سوال آجاتا تھا تو دوسرے لوگ ہمارے علماء سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔ اور چونکہ عام طور پر لوگ ظاہر کی طرف دیکھتے ہیں مغز کی طرف ان کی نظر نہیں جاتی اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ظاہر ایک بیرونی چیز ہے جس کی طرف ہر شخص کی نگاہ فوراً اٹھنے لگتی ہے اور مغز اندر کی طرف ہوتا ہے جسے ظاہر بیں نگاہ نہیں دیکھتی۔ اس لئے وہ لوگ جو ظاہری علوم کے دلدادہ تھے ہمارے مبلغین سے پوری طرح متاثر نہیں ہوتے تھے۔ اب چونکہ ہم نے ان علاقوں میں بھی اشاعتِ احمدیت کے لئے اپنی کوششوں کو تیز تر کرنا ہے اس لئے ہمیں پہلے سے بہت زیادہ علماء کی ضرورت ہے۔ اور ہمیں اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ ہم اپنی جماعت کے ایک طبقہ کو زیادہ اعلیٰ درجہ کے علمی معیار پر پہنچا سکیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ باطنی طور پر ان کو اعلیٰ معیار پر پہنچانا ہمارے قبضہ میں ہے لیکن ظاہری طور پر اعلیٰ معیار پر پہنچانا اس وقت دوسروں کے قبضہ میں ہے۔ اور ہم اس وقت تک اس رَو کا مقابلہ نہیں کر سکتے جب تک ہماری جماعت میں بھی ایسا طبقہ موجود نہ ہو جو ظاہری علوم کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کے معیار کو حاصل کئے ہوئے ہو۔ پس ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس معیار پر جلد سے جلد پہنچیں اور ہماری جماعت میں اعلیٰ درجہ کے علوم کے ماہرین کی ایک کافی تعداد پیدا ہو جائے تا کہ ہماری جماعت میں نئے علماء کی ضرورت کا سوال بہت حد تک حل ہو جائے۔

مجھے معلوم نہیں کہ اس وقت تک جماعت کے لوگوں نے میری تحریک پر کیا توجہ کی ہے۔ اصل طریق یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی تحریک کی جائے تو اس کے نتائج سے امام کو آگاہ رکھا جائے کیونکہ تمام کام امام کی آواز پر ہوا کرتا ہے۔ مَیں نے اخبارات میں مدرسہ احمدیہ کے ہیڈ ماسٹر اور جامعہ احمدیہ کے پرنسپل کی طرف سے اس قسم کے اعلانات تو دیکھے ہیں کہ دوستوں کو اپنے لڑکے یہاں تعلیم کے لئے بھجوانے چاہئیں مگر مجھے کسی نے بتایا نہیں کہ اس بارہ میں لڑکوں کی طرف سے کوئی درخواستیں آئی ہیں یا نہیں۔ اور اگر آئی ہیں تو کتنی ہیں۔ اگر مجھے بتایا جاتا تو مَیں

اندازہ لگا سکتا کہ حالات امید افزا ہیں یا مایوس کُن۔ بہر حال میرا فرض ہے کہ مَیں چند سال تک متواتر جماعت میں بیداری پیدا کرتا چلا جاؤں یہاں تک کہ لوگوں پر اس کی اہمیت واضح ہو جائے اور وہ خود بخود اس طرف توجہ کرنا شروع کر دیں۔ اس سال پھر مَیں جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے بچوں کو دین کی خدمت کے لئے پیش کریں۔ مَیں نے بتایا تھا کہ ان کے دو ہی مالک ہیں۔ ایک سچا مالک ہے اور ایک جھوٹا مالک ہے۔ ایک خدا ان کا مالک ہے اور ایک شیطان ان کا مالک ہے۔ تم مجبور ہو اس بات پر کہ بہر حال ان دو میں سے ایک کے سپرد اپنی اولاد کو کر دو۔ اگر تم کسی کے سپرد نہیں کرو گے تو بہر حال تمہاری اولاد یا خدا کی طرف چلی جائے گی یا شیطان کی طرف چلی جائے گی۔ اگر تم اپنی اولادوں کو خدا کے سپرد نہیں کرو گے تو یقیناً وہ شیطان کے قبضہ میں چلی جائیں گی۔ اور اپنی اولادوں کو خدا کے سپرد کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے پاس ہر وقت اتنے علماء موجود رہیں جو خدا تعالیٰ کی آواز کو ہر احمدی اور ہر غیر احمدی کے کان میں ڈالتے رہیں۔ جب تک ہماری آواز دنیا میں چاروں طرف پھیل نہیں جاتی اور جب تک ایسا ماحول پیدا نہیں ہو جاتا کہ احمدیت اس میں زندہ رہ سکے اس وقت تک ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہمارا صرف بیج بو دینا کافی نہیں بلکہ اس بیج کے لئے مناسب ماحول کی بھی ضرورت ہے۔ دنیا میں خالی بیج کافی نہیں ہوتا بلکہ بیج کے نشوو نما کے لئے زمین کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ ہوا کی بھی ضرورت ہے، پانی کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور یہ ساری چیزیں مل کر نتیجہ پیدا کرتی ہیں۔ صرف اتنا کافی نہیں ہوتا کہ بیج بو دیا اور اُٹھ کر گھر چلے آئے۔ اسی طرح ایک احمدی کا جب تک ماحول بھی احمدی نہ ہو اس کی احمدیت دائمی طور پر زندہ نہیں رہ سکتی۔

احمدیت کی زندگی کی یہی صورت ہے کہ ایک احمدی بچہ جن بچوں کے ساتھ کھیلتا ہے وہ یا تو احمدیت قبول کرنے والے ہوں یا احمدیت کی آواز سے متاثر ہوں۔ جن استادوں سے وہ تعلیم حاصل کرتا ہے وہ یا تو احمدی ہوں یا احمدیت کی آواز سے مرعوب ہوں۔ جن دفاتر میں وہ کام کرنے کے لئے جاتا ہے ان میں کام کرنے والے اور اس کے دائیں بائیں اور اِرد گرد بیٹھنے والے یا تو احمدی ہوں یا احمدیت کی آواز سے مرعوب ہوں۔ جن بازاروں میں وہ سودا سلف لینے کے لئے

جاتا ہے اُن بازاروں میں تاجر اور دکاندار یا تو احمدی ہوں یا احمدیت کی آواز سے مرعوب ہوں۔ اسی طرح وہ اہلِ حرفہ اور اہلِ پیشہ جو اس کے گھر پر کام کرنے کے لئے آتے ہیں یا یہ ان کے گھر پر کام کرانے کے لئے جاتا ہے وہ سب کے سب یا تو احمدی ہوں یا احمدیت کی آواز سے متاثر ہوں۔ اگر ایک مزدور اس کے گھر پر مزدوری کے لئے آتا ہے یا یہ اس کے پاس کسی کام کے سلسلہ میں جاتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ مزدور احمدی ہو یا احمدیت سے متاثر ہو۔ اگر ایک سقّہ اس کے مکان پر پانی ڈالنے کے لئے آتا ہے یا یہ اس کے مکان پر یہ کہنے کے لئے جاتا ہے کہ میرے گھر میں پانی ڈال دیا کرو تو وہ یا تو احمدی ہو یا احمدیت کی آواز سے متاثر ہو۔ اسی طرح ایک نائی اس کے پاس حجامت بنانے کے لئے آتا ہے یا یہ اس کے پاس حجامت بنوانے کے لئے جاتا ہے یا ایک درزی اس کے پاس کپڑوں کی سلائی لینے کے لئے آتا ہے یا یہ اس درزی کے پاس کپڑوں کو سلانے کے لئے جاتا ہے یا ایک دھوبی اس کے پاس کپڑے لینے کے لئے آتا ہے یا یہ دھوبی کے پاس کپڑے دینے کے لئے جاتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ نائی اور وہ درزی اور وہ دھوبی یا تو احمدی ہو یا احمدیت کی آواز سے متاثر ہو۔ یا مثلاً ایک لوہار کسی کام کے لئے اس کے پاس آتا ہے یا یہ اس لوہار کے پاس جاتا ہے یا ایک ترکھان اس کے مکان کی مرمت کے لئے آتا ہے یا یہ اس ترکھان کے مکان پر جاتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ لوہار اور ترکھان یا تو احمدی ہوں یا احمدیت کی آواز سے مرعوب ہوں۔ جب تک ہم اپنے ارد گرد کے ماحول کو بھی احمدی نہیں بنا لیتے، جب تک ہمارے دائیں اور ہمارے بائیں کام کرنے والے احمدی نہیں بن جاتے یا احمدیت کی آواز سے مرعوب نہیں ہو جاتے اس وقت تک لازماً کان میں دو قسم کی آوازیں پڑتی رہیں گی اور دو قسم کی آوازیں ہمیشہ انسان کو یا تو گمراہ کر دیتی ہیں اور یا اس میں ہسٹیریا(HYSTERIA) کا مرض پیدا کر دیا کرتی ہیں۔

پرانے زمانہ میں لوگ کہا کرتے تھے کہ دو کشتیوں میں قدم رکھنے والا سلامت نہیں رہ سکتا۔ یہ بھی صحیح ہے لیکن اس سے بھی زیادہ صحیح وہ حقیقت ہے جو موجودہ زمانہ میں علم النفس کے ماہرین نے ثابت کی ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ دو قسم کی آوازوں کا کان میں پڑنا دو کشتیوں میں قدم رکھنے سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ کشتیاں اِدھر اُدھر ہوں تو زیادہ سے زیادہ یہی

ہو سکتا ہے کہ انسان کی ٹانگیں چِڑ جائیں لیکن جس شخص کے کان میں ہمیشہ دو قسم کی آوازیں آتی رہیں گی وہ یقیناً پاگل ہو جائے گا اور کسی شخص کا مر جانا اس سے ہزار درجہ بہتر ہوتا ہے کہ وہ پاگل ہو کر زندہ رہے۔ پس جب تک ہم اپنے ماحول کو درست نہیں کر لیتے اس وقت تک ہماری اولادیں شیطانی حملوں سے کبھی محفوظ نہیں رہ سکتیں۔ ہم خود انہیں دھکّے دے کر شیطان کی گود میں ڈالنے والے ہوں گے۔

پس ضرورت اس امر کی ہے کہ ہماری جماعت میں اس کا احساس پیدا ہو اور جن لوگوں کو خدا تعالیٰ توفیق عطا فرمائے وہ اپنی اولادوں کو دین کی خدمت کے لئے وقف کریں۔ اس وقت تک امراء اس تحریک میں حصہ لینے سے بہت حد تک محروم چلے آرہے ہیں اور انہوں نے بہت ہی کم بچے دین کی خدمت کے لئے وقف کئے ہیں۔ اگر ہم شمار کریں تو غرباء تو درجنوں کی مقدار میں ایسے نکل آئیں گے جنہوں نے اپنے بچوں کو خدمتِ دین کے لئے اس رنگ میں وقف کیا۔ لیکن اگر امراء کو گننے لگیں تو وہ دو چار سے زیادہ نہیں نکل سکیں گے۔ یہ ایک ایسا نمونہ ہے جسے دشمن کے سامنے پیش کر کے ہم اس پر اپنی فوقیت یا اپنی قربانیوں کی عظمت ثابت نہیں کر سکتے۔ غرباء کا نمونہ اگر ہم پیش بھی کریں تو وہ کہہ دے گا کہ یہ بھوکے مرتے تھے، ان کے پاس اپنی تعلیم کا اَور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ جماعت نے وظائف مقرر کر دیئے اور وہ پڑھتے چلے گئے۔ اس میں انہوں نے قربانی کونسی کی ہے۔ اس وقت ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم غلط کہتے ہو۔ انہوں نے جو کچھ کیا ہے اخلاص اور ایمان کے ماتحت کیا ہے کیونکہ اخلاص اور ایمان ایک ایسی چیز ہے جو ہم کسی کو دکھا نہیں سکتے۔ اگر وہ سارے کے سارے اخلاص سے کام لینے والے ہوں، سارے کے سارے ایمان کا اعلیٰ مقام رکھتے ہوں تب بھی دشمن کے مقابلہ میں کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بے شک ہم نے ان کے لئے اپنا روپیہ خرچ کیا ہے لیکن اگر ہم روپیہ خرچ نہ کرتے تب بھی ان لوگوں میں ایسا اخلاص تھا کہ وہ ضرور قربانی کرتے اور اپنے بچوں کو بہر حال اس مدرسہ میں داخل کرتے؟ یہ ایک دل کی بات ہو گی جسے ہم ثابت نہیں کر سکیں گے اور ہمیں اپنے دشمن کے مقابلہ میں ضرور خاموش ہونا پڑے گا۔ اور یا پھر یہ ماننا پڑے گا کہ احمدیت نے غریبوں میں تو اخلاص پیدا کیا ہے لیکن امیروں میں پیدا نہیں کیا۔

وہ کہے گا تم میں کھاتے پیتے لوگ بھی تھے۔ اگر احمدیت نے لوگوں کے دلوں میں واقع میں اخلاص پیدا کیا تھا تو وجہ کیا ہے کہ جو لوگ کھاتے پیتے ہیں انہوں نے اپنی اولادیں دین کی خدمت کے لئے وقف نہیں کیں۔ مَیں جانتا ہوں کہ ہم اس کا جواب دے سکتے ہیں مگر مَیں یہ بھی جانتا ہوں کہ ہم اس کا جواب دے کر دشمن کو ساکت نہیں کر سکتے۔ ہم سُرخرو ہو کر اس کے سامنے سے نہیں اٹھ سکتے۔ ہمیں ضرور شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ ہمارے جسم پر ضرور پسینہ آ جائے گا، ہماری زبان ضرور لڑکھڑانے لگ جائے گی اور ہمارا دل ضرور دھڑکنے لگ جائے گا۔ کیونکہ یہ وہ بات ہے جس کے متعلق ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہم اس کا سو فیصدی درست جواب دے سکتے ہیں۔ آخر جماعت اس کے معنے تو نہیں کہ اس کے غریب اچھے ہوں یا جماعت اس کے معنے تو نہیں کہ اس کے امیر اچھے ہوں۔ یا جماعت اس کے معنے تو نہیں کہ اس کے مرد اچھے ہوں۔ یا جماعت اس کے معنے تو نہیں کہ اس کی عورتیں اچھی ہوں۔ یا جماعت اس کے معنے تو نہیں کہ اس کے بچے اچھے ہوں۔ یا جماعت اس کے معنے تو نہیں کہ اس کے متوسط الحال لوگ اچھے ہوں۔ یا جماعت اس کے معنے تو نہیں کہ اس کے علماء اچھے ہوں۔ یا جماعت اس کے معنے تو نہیں کہ اسکے جہلاء اچھے ہوں بلکہ جماعت اس کے معنے ہیں کہ اس کا ہر گروہ بحیثیت جماعت اچھا ہو۔ وہی جماعت اچھی کہلا سکتی ہے جس کے امراء بھی بحیثیت جماعت اچھے ہوں۔ شاذ و نادر کے طور پر اگر ان میں سے کوئی بگڑا ہوا ہو تو یہ اَور بات ہے۔ ورنہ صحیح معنوں میں جماعت وہی کہلا سکتی ہے جس کے عام طور پر امراء بھی اچھے ہوں اور جس کے عام طور پر غرباء بھی اچھے ہوں۔ جس کے عام طور پر علماء بھی اچھے ہوں اور جس کے عام طور پر جہلاء بھی اچھے ہوں، جس کے عام طور پر مرد بھی اچھے ہوں اور جس کی عام طور پر عورتیں بھی اچھی ہوں، جس کے عام طور پر بچے بھی اچھے ہوں اور جس کے عام طور پر بوڑھے بھی اچھے ہوں۔ اگر کسی جماعت کا کسی ایک گروہ پر اثر پڑتا ہے دوسروں پر نہیں تو وہ یقیناً آسمانی جماعت نہیں کہلا سکتی۔ اس لئے کہ وہ محدود اثر رکھنے والی ہو گی۔ وہ قومی جماعت تو کہلا سکتی ہے مگر خدائی نہیں۔ خدائی جماعت وہ ہوتی ہے جو ہر گروہ کو مخاطب کرتی اور اپنے ہر مخاطب کو اپیل کرتی ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انبیاء کی جماعت غرباء کی جماعت ہوتی ہے مگر اس کے صرف اتنے ہی معنے ہوتے ہیں کہ انبیاء کی جماعتوں میں غرباء کثرت سے شامل ہوتے ہیں۔ یہ معنے نہیں ہوتے کہ امراء ان میں شامل ہی نہیں ہوتے۔ چنانچہ دیکھ لو۔ رسول کریم صَلَّیَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ پر جو لوگ ایمان لائے وہ محض غرباء میں سے نہیں آئے بلکہ امراء میں سے بھی آئے۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ بھی آئے، حضرت عثمانؓ بھی آئے اور یہ دونوں مالدار تھے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ بھی مالدار خاندان میں سے تھے۔ یہی حال حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کا تھا کہ وہ بھی اچھے مالدار خاندانوں میں سے تھے۔ اسی طرح غرباء بھی آئے، عورتیں بھی آئیں، بچے بھی آئے، بوڑھے بھی آئے، جوان بھی آئے۔ غرض سب کے سب آئے جو ثبوت تھا۔ اس بات کا کہ یہ کوئی خاص قسم کی پولٹیکل باڈی (Political - Body) نہیں تھی۔ اگر پولٹیکل باڈی ہوتی تو اُنہی کی ہمدردی کھینچتی جن کو فائدہ پہنچانے کے لئے وہ کھڑی ہوئی تھی۔ مگر چونکہ یہ مذہب تھا اور مذہب کا تعلق ہر شخص کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے اس میں مرد بھی شامل ہوتے ہیں اور عورتیں بھی، امیر بھی شامل ہوتے ہیں اور غریب بھی، عالم بھی شامل ہوتے ہیں اور جاہل بھی، آزاد بھی شامل ہوتے ہیں اور غلام بھی۔ کیونکہ مذہب کا تعلق نہ امیر سے ہوتا ہے نہ غریب سے۔ نہ بوڑھے سے ہوتا ہے نہ جوان سے۔ نہ آزاد سے ہوتا ہے نہ غلام سے، نہ عالم سے ہوتا ہے نہ جاہل سے بلکہ سب سے اس کا تعلق ہوتا ہے اور ہر شخص خواہش رکھتا ہے کہ مَیں اس میں داخل ہو کر نجات حاصل کروں۔ مگر جو قومی جماعت ہوتی ہے وہ چونکہ مخصوص لوگوں سے تعلق رکھتی ہے اس لئے سب لوگ اس میں شامل نہیں ہوسکتے۔ احمدیت بھی اسی وقت دنیا پر اپنا رعب اور اثر پیدا کر سکتی ہے جب اس کا ہر طبقہ اپنے ایمان اور اخلاص کا ثبوت دے۔ محض غریبوں کا اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لئے پیش کر دینا یا ان کا اپنی اولادوں کو اسلام کی اشاعت کے لئے وقف کر دینا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہو سکتا کہ احمدیت نے ہر طبقہ پر اپنا اثر ڈال لیا ہے۔ لازماً اس کے معنے یہ ہوں گے کہ ہماری جماعت کے امراء احمدیہ نظام کی خوبی کے پوری طرح قائل نہیں۔ وہ اپنے پرانے نظام کے ہی دلدادہ ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کے پلاؤ کھاتے بیٹے ہمیشہ پلاؤ ہی کھاتے رہیں اور ان کے مخمل پہننے والے بچے ہمیشہ مخمل ہی پہنتے

رہیں۔ چونکہ وہ احمدیہ نظام کو اس کے خلاف پاتے ہیں اس لئے وہ اسلام کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو پیش کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

پس آج مَیں ایک دفعہ پھر جماعت کے دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اگر احمدیت ایک اچھی چیز ہے، اگر احمدیت کی اتباع فائدہ بخش ہے اور اگر احمدیت کی اتباع انسان کو دین و دنیا میں سُرخرو کرنے والی ہے تو امراء اور درمیانی طبقہ کے لوگ مجھے بتائیں کہ وہ اپنے بچوں کو اس عظیم الشان خدمت سے محروم کر کے ان کے ساتھ دشمنی کر رہے ہیں یا دوستی؟ اور کیا وہ اپنے بچوں کو اس طرف نہ بھیج کر اپنے ساتھ اور اپنے بیوی بچوں کے ساتھ محبت کر رہے ہیں یا ان پر خطرناک ظلم کر رہے ہیں؟ اگر احمدیت ایک اچھی چیز ہے اور اگر احمدیت کی اشاعت کے لئے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو وقف کرنا خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے تو یقیناً قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے حضور وہ لوگ سُرخرو ہوں گے جنہوں نے اپنے بچے خدمتِ دین کے لئے پیش کئے ہوں گے اور یقیناً وہ بچے بھی سُرخرو ہوں گے جنہوں نے اپنی زندگیاں اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے لئے وقف کی ہوں گی۔ اس کے مقابلہ میں وہ لوگ جنہوں نے اپنی زندگیاں وقف کرنے میں کوتاہی سے کام لیا ہو گا وہ خدا تعالیٰ کے حضور شرمندہ ہوں گے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی شرمندہ ہوں گے جنہوں نے نہ خود دین سمجھنے کی کوشش کی اور نہ اپنی اولادوں کو دین کی خدمت کے لئے وقف کیا۔ مَیں تو سمجھتا ہوں کہ اگر امراء اس طرف توجہ کریں تو انہیں بہت کچھ سہولت بھی ہے۔ وہ اپنی جائیداد کا کچھ حصہ ایسی اولاد کے لئے وقف کر سکتے ہیں۔ کلکتہ کے ایک احمدی دوست ہیں جنہوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ میرا ایک بچہ جس کو مَیں نے خدمتِ دین کے لئے پیش کیا ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ اس کے لئے اپنی پچھتر ہزار کی ایک جائیداد وقف کر دوں تا کہ اس کی آمد اس کے کام آتی رہے۔ مَیں نے کہا یہ بہت عمدہ بات ہے۔ آپ ایسا ضرور کریں لیکن میرے نزدیک زیادہ بہتر یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ آپ یوں کریں کہ اپنی اس جائیداد کو ایک بچہ کے لئے وقف کر دیں۔ آپ اس جائیداد کو اس رنگ میں وقف کریں کہ آئندہ میری اولاد میں سے جو بھی اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لئے پیش کرے گا، اس جائیداد کی آمد اس کے لئے وقف رہے گی۔

اگر آپ اس طرح جائیداد کو وقف کریں گے تو اس کا فائدہ صرف ایک نسل تک ہی محدود نہیں رہے گا بلکہ آپ کی آئندہ آنے والی نسلیں بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں گی۔ اب دیکھو یہ کیسا اچھا طریق ہے۔ جو اس دوست نے اختیار کیا اور اگر ایک شخص ایسا کر سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے لوگ بھی ایسا نہ کریں۔ مَیں نے دیکھا ہے حضرت خلیفہ اول بارہا فرمایا کرتے تھے کہ آخر وجہ کیا ہے کہ اگر کسی کے دو بیٹے ہوں اور ان میں سے ایک دنیا کمائے تو وہ اپنی کمائی کا ایک حصہ اپنے اس دوسرے بھائی کو نہ دے جس نے دین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا ہو۔ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں اس کی بڑی کثرت سے مثالیں ملتی ہیں یہاں تک کہ سب انصار نے یکدم اپنی ساری جائیدادیں مہاجرین کو پیش کر دیں اور انہیں اپنے ساتھ شریک کر لیا۔ رسول کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لے گئے تو آپ نے انصار سے فرمایا کہ اے انصار! مہاجرین یہاں اجنبی ہیں، باہر سے آئے ہوئے ہیں اور یہاں ان کے کوئی رشتہ دار نہیں۔ مَیں چاہتا ہوں کہ تمہیں آپس میں بھائی بھائی بنا دوں۔ چنانچہ آپ نے ایک ایک انصاری کو لیا اور اسے ایک ایک مہاجر کے ساتھ وابستہ کر دیا اور کہا کہ لو اب تم بھائی بھائی بن گئے ہو۔1 انہوں نے بھی اس اخوّت کو اتنی اہمیت دی کہ بعض نے اصرار کرنا شروع کر دیا کہ آؤ ہم اپنی جائیدادیں آپس میں تقسیم کر لیں کیونکہ جب ہم آپس میں بھائی بھائی بن چکے ہیں۔ تو اب ان جائیدادوں میں صرف ہمارا حصہ ہی نہیں بلکہ تمہارا حصہ بھی ہے۔ ایک شخص نے تو حد ہی کر دی وہ اپنے مہاجر بھائی کو گھر لے گیا اور کہا کہ میری دو بیویاں ہیں اور تم ابھی کنوارے ہو۔ ان دونوں میں سے جو بھی تمہیں پسند ہو مَیں اس کو طلاق دینے کے لئے تیار ہوں۔ تم اس سے شادی کر لو۔2 یہ الگ بات ہے کہ اس شخص کا یہ جوش انتہائی حد تک کو پہنچا ہوا تھا۔ نہ مہاجر نے ایسا کیا اور نہ رسول کریم ﷺ نے اسے ایسا کرنے کے لئے کہا۔ مگر یہ بات ان کے اخلاص پر تو دلالت کرتی ہے۔ یہ بات بتاتی ہے کہ وہ کس طرح آپس میں بھائی بھائی بن گئے تھے اور پھر کس طرح انہوں نے اپنی جائدادوں میں دوسروں کو شریک بنا لیا۔ **اگر بغیر کسی جسمانی رشتے کے انصار اپنے مہاجر بھائیوں کو آدھا آدھا مال دینے کے لئے تیار تھے تو کیا ایک ماں باپ سے پیدا ہونے والے بیٹے ایسا نہیں کر سکتے کہ ان میں سے جو شخص دنیا کما رہا ہو وہ اپنی**

کمائی کا آدھا حصہ اپنے اس بھائی کو دے دیا کرے جس نے اسلام کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا ہو۔ وہاں تو صرف ایک ہی رشتہ تھا یعنی انصار اور مہاجرین کے درمیان صرف روحانی رشتہ تھا جسمانی نہیں۔ پھر جہاں جسمانی اور روحانی دونوں رشتے ہوں وہاں ایک دوسرے کے لئے کس قدر قربانی کرنی چاہئے۔ مَیں تو سمجھتا ہوں اگر کسی باپ کے دو بیٹے ہوں تو ان دونوں کا فرض ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور اپنے باپ سے کہیں کہ اے ہمارے باپ! آپ ہم میں سے جس کو چاہیں دین کی طرف بھیج دیں اور جس کو چاہیں دنیا کمانے پر لگا لیں۔ ہم میں سے جو شخص دنیا کمائے گا وہ اپنی کمائی کا آدھا حصہ ہمیشہ اس بھائی کو دے دیا کرے گا جس نے دین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا ہو گا تا کہ اگر وہ کسی اَور طرح دین کی خدمت نہیں کر سکتا تو اسی رنگ میں حصہ لے کر اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرے۔ اگر قربانی اور ایثار سے کام لیا جائے تو مَیں سمجھتا ہوں اس قسم کا عزم کر لینا کوئی مشکل بات نہیں۔

اور اس کی مثالیں ہمیں اَور قوموں میں بھی مل سکتی ہیں۔ چنانچہ ہندوؤں میں اس کی ایک موٹی مثال موجود ہے۔ لالہ ہنسراج صاحب پرنسپل ڈی۔ اے۔ وی۔ کالج لاہور جن کا ہندوؤں کی تعلیم میں سب سے زیادہ حصہ ہے وہ غریب ماں باپ کے بیٹے تھے۔ ایسے غریب ماں باپ کے کہ ان کا تعلیم پانا بھی مشکل تھا۔ ان کا ایک بھائی ڈاکخانہ میں ملازم تھا اور وہی ان کو تعلیمی اخراجات دیتا تھا۔ چنانچہ اسی کی مدد سے انہوں نے کالج کی تعلیم حاصل کی۔ اسی دوران میں پنڈت دیانند صاحب کی یادگار میں ڈی۔ اے۔ وی کالج قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور انہوں نے اپنے آپ کو قوم کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ چونکہ انہوں نے قومی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا تھا ان کے بھائی نے کہا کہ مَیں ہمیشہ ان کو اپنی آدھی تنخواہ دیتا رہوں گا تا کہ یہ قوم پر بوجھ نہ بنیں۔ چنانچہ لالہ ہنسراج صاحب ساری عمر ڈی۔ اے۔ وی کالج کے پرنسپل رہے اور انہوں نے اسے ادنیٰ حالت سے بہت بڑی ترقی تک پہنچا دیا۔ مگر قوم سے وہ کوئی روپیہ نہیں لیتے تھے۔ ہمیشہ ان کا بھائی اپنی تنخواہ میں سے نصف روپیہ ان کو بھجوا دیا کرتا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعد میں اس کی تنخواہ زیادہ ہو گئی تھی مگر بہرحال ایک ڈاکخانہ کے ملازم کی تنخواہ چار پانچ سو سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اس تنخواہ کا آدھا حصہ وہ برابر ان کو دیتا رہا اور اسی پر ان کا

گزارہ رہا۔ یہ درست ہے کہ ہندوؤں کے پاس روپیہ حاصل کرنے کے اَور بھی ذرائع ہوتے ہیں۔ چونکہ ہندو مالدار قوم ہے اس لئے اگر کسی کے پاس تھوڑا سا روپیہ بھی ہو تو قومی احساس رکھنے والے بینکروں کو وہ روپیہ دے کر ہزاروں روپے کی جائیدادیں پیدا کر لیتے ہیں۔ مسلمان ایسا نہیں کر سکتے۔ لیکن بہر حال ہندوؤں میں سے ایک شخص نے یہ مثال پیش کر دی کہ وہ اپنے دوسرے بھائی کو جس نے قوم کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا تھا ساری عمر اپنی آدھی تنخواہ دیتا رہا۔

یہ وہ نمونہ ہے جو سب سے پہلے رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ نے مدینہ میں پیش کیا جبکہ سارے شہر کے انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کے لئے آدھی آدھی جائیدادیں پیش کر دی تھیں۔ اگر رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ یہ نمونہ دکھا سکتے ہیں تو کیا وہی مثال رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ کا مثیل کہلانے والے احمدی اپنے نمونہ سے پیش نہیں کر سکتے؟ اور کیا آج ہر بھائی اپنے دوسرے بھائی کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ بھائی! اگر تجھے دین کی خدمت کا شوق ہے تو بے شک خوشی سے جا اور یہ کام کر، مَیں ہمیشہ اپنی تنخواہ کا آدھا حصہ تجھے دیتا رہوں گا تا کہ قوم پر تُو بوجھ نہ بنے اور اپنا کام عمدگی کے ساتھ کرتا رہے؟ مَیں سمجھتا ہوں ایک طرف ماں باپ کے دلوں میں یہ تحریک پیدا ہونی چاہئے کہ وہ اپنے بچوں کو اسلام کی خدمت کے لئے اِدھر بھیجیں اور دوسری طرف خود بچوں کے دلوں میں یہ تحریک پیدا ہونی چاہئے کہ وہ اسلام کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کریں اور اپنے ماں باپ کو مجبور کریں کہ وہ انہیں اس طرف بھیجیں۔ یہ ایمان کا معاملہ ہے اور ایمان میں چھوٹے اور بڑے کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔

رسول کریم ﷺ نے جب دعویٰ نبوت فرمایا اور آپؐ نے تبلیغ شروع کی تو لوگوں نے ہچکچانا اور بھاگنا اور اعراض کرنا شروع کر دیا۔ آپ نے سوچ بچار اور غور و فکر کے بعد ایک دن لوگوں کی دعوت کی اور ارادہ فرمایا کہ جب یہ لوگ کھانا کھا چکیں گے تو مَیں انہیں اسلام کی تبلیغ کروں گا۔ چنانچہ وہ لوگ آئے اور انہوں نے کھانا کھایا مگر جب کھانے سے فارغ ہونے کے بعد آپ تقریر کرنے لگے تو لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ رسول کریم ﷺ کو بہت ہی افسوس ہوا کہ لوگوں کو سمجھانے کے لئے جو تدبیر اختیار کی گئی تھی وہ کارگر ثابت نہ ہوئی۔ حضرت علیؓ کی عمر

اُس وقت گیارہ سال تھی۔ انہوں نے کہا یَا رَسُولَ اللّٰہ! آپؐ نے ان کو پہلے کھانا کھلا دیا اور تقریر بعد میں کی۔ اگر آپ پہلے تقریر کرتے اور انہیں کھانا بعد میں کھلاتے تو وہ کھانے کے انتظار میں ضرور بیٹھے رہتے اور آپ کی باتیں بھی سن لیتے۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا یہ ہے تو بچہ مگر اس کی بات معقول ہے۔ چنانچہ آپ نے ان کی پھر دعوت کی۔ جب وہ جمع ہو گئے تو آپ نے کھانا تقسیم کرنے سے پہلے ان کو اسلام کا پیغام پہنچانا شروع کر دیا۔ روٹی کی خاطر وہ مجبوراً بیٹھے رہے اور انہیں آپ کی باتیں سننی پڑیں۔ آپ نے بڑے زور سے تقریر کرنے کے بعد فرمایا۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود اور ان کی ترقی کے لئے ایک عظیم الشان دروازہ کھولا گیا ہے۔ اب تمہارے لئے موقع ہے کہ تم آگے بڑھو اور خدا تعالیٰ کی رضا کے اعلیٰ مدارج حاصل کرو۔ آج باقی ساری دنیا سے زیادہ تمہارے لئے ترقی کے دروازے کھُلے ہیں اور خدا نے تمہیں اپنے فضل سے ایک بہت بڑا قیمتی موقع عطا فرمایا ہے۔ اب تمہارا فرض ہے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاؤ اور ترقی کے سامانوں سے کام لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرو۔ پھر آپؐ نے فرمایا۔ مَیں اللہ تعالیٰ کا پیغام تم کو پہنچا چکا ہوں۔ کیا تم میں سے کوئی سعید روح ہے۔ جو آپ آگے بڑھے اور اللہ تعالیٰ کی آواز پر لَبَّیْك کہے؟ وہ لوگ جو اپنے دلوں میں یہی سوچ رہے تھے کہ کھانا کب تقسیم ہوتا ہے، بِلا وجہ ہمارا وقت کیوں ضائع کیا جا رہا ہے وہ اس بات کا کیا جواب دے سکتے تھے۔ وہ خاموش رہے۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک دو دفعہ پھر پوچھا مگر جب کسی نے جواب نہ دیا تو حضرت علیؓ جو اُس وقت گیارہ برس کے بچے تھے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا یَا رَسُولَ اللّٰہ! مَیں حاضر ہوں۔

تو حقیقت یہ ہے کہ ایمان بچے اور بڑے میں کوئی فرق نہیں کیا کرتا۔ بہت سے نوجوان صحابہؓ میں ایسے پائے جاتے ہیں جن کے ماں باپ ان کے شدید ترین مخالف تھے۔ وہ بارہ بارہ، چودہ چودہ اور پندرہ پندرہ سالوں کی عمر کے تھے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ اور جب انہوں نے دیکھا کہ ہمارے ماں باپ ہمیں اس مذہب میں شامل ہونے سے روک رہے ہیں تو انہوں نے اپنی ماؤں کو چھوڑ دیا، اپنے باپوں کو چھوڑ دیا اور اپنے وطنوں کو چھوڑ دیا اور غریب الوطنی کی زندگی بسر کی۔ اس کے بعد بھی جب انہوں نے دیکھا کہ ابھی تک ہمارے ماں باپ کی اس

دشمنی میں کوئی کمی نہیں آئی۔ جو وہ اسلام سے رکھتے ہیں تو انہوں نے اپنے ماں باپ کی شکلیں تک دیکھنا گوارا نہ کیا۔ وہ گئے اور انہوں نے اسلام کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیں۔

پس یہ تحریک صرف بڑوں کے لئے نہیں بچے بھی اس تحریک کے مخاطب ہیں۔ اگر ماں باپ اپنے بچوں کو دین کی خدمت کے لئے وقف کرنے کو تیار نہیں اور بچوں کے دلوں میں ذاتی طور پر یہ جذبہ پایا جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے قربان کر دیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ اے ہمارے باپ! یا اے ہماری ماں! آپ ہمیں دین کی تعلیم کے لئے آزاد کر دیں۔ ہمیں دنیوی کاموں پر لگانے کا ارادہ آپ ترک کر دیں اور دین کی خدمت کے لئے وقف کر دیں۔ اور اگر بچوں میں یہ تحریک پیدا نہ ہو تو ماں باپ کا فرض ہے کہ وہ خود اپنے بچوں پر زور ڈالیں اور انہیں کہیں کہ دنیوی تعلیم کو چھوڑو اور خدا کے دین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کرو۔ کیا پتہ کہ تم اپنی تعلیم کے مکمل ہونے تک زندہ بھی رہتے ہو یا نہیں مگر یہ وہ تعلیم ہے کہ اگر اس تعلیم کے حصول کے دوران میں بھی تم مر گئے تو تم مجاہد کہلاؤ گے۔ ایک شخص جو مدرسہ ہائی یا تعلیم الاسلام کالج میں پڑھتا ہے بغیر اس نیت اور ارادہ کے کہ وہ اس تعلیم کے نتیجہ میں دین کی خدمت کرے گا وہ اگر مر جاتا ہے پیشتر اس کے کہ اپنی تعلیم کو مکمل کرے تو وہ ایک ایسا بیج ہے جو ضائع گیا۔ مگر وہ جو دین کی خدمت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور اس نیت سے تعلیم حاصل کر رہا ہے وہ اگر تعلیم کے دوران میں ہی مر جاتا ہے تو وہ ایسا بیج نہیں جو ضائع چلا گیا بلکہ ایک گٹھلی ہے جو یہاں سے نکالی گئی اور اگلے جہان میں بو دی گئی۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب شہید کے متعلق الہام ہوا کہ "کابل سے کاٹا گیا اور سیدھا ہماری طرف آیا۔"**3** جب دنیا نے کابل کی سرزمین میں ان کی زندگی کا پودا کاٹ کر پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ ان کی روح کو لے کر اپنی جنت میں لے گیا اور اس نے قادیان کے باغِ جنت میں ان کو داخل کر دیا۔ پس مَیں جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں۔ بڑے بھی اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور چھوٹے بھی۔ اگر ماں باپ اپنے بچوں کو دین کی خدمت کے لئے وقف کرنے کو تیار نہ ہوں تو بچوں کو چاہئے کہ وہ ان سے روٹھ کر بیٹھ جائیں

اور کہیں کہ پہلے ہماری بات مانی جائے پھر ہم راضی ہوں گے۔ اگر بچے اپنے ماں باپ سے کپڑوں کے لئے روٹھ سکتے ہیں، اگر بچے اپنے ماں باپ سے کھانے پینے کی چیزوں کے لئے روٹھ سکتے ہیں، اگر بچے اپنے ماں باپ سے جوتی اور بوٹ کے لئے روٹھ سکتے ہیں، اگر بچے اپنے ماں باپ سے روٹھ کر انہیں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابّا جب تک آپ فلاں کپڑا مجھے خرید کر نہیں دیں گے مَیں کھانا نہیں کھاؤں گا، یا اماں جب تک مجھے فلاں چیز نہ دی گئی مَیں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ تو کیا وہ خدا اور اس کے رسول اور اس کے دین کے لئے اپنے ماں باپ سے روٹھ نہیں سکتے؟ کیا وہ اپنے ماں باپ سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کرنے کا موقع دیا جائے ورنہ ہم روٹھے رہیں گے اور کوئی چیز نہ کھائیں گے نہ پئیں گے۔

ستیہ گرہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ گاندھی جی کی ایجاد ہے حالانکہ ستیہ گرہ وہ چیز ہے جو بچوں نے آدم کے وقت سے ایجاد کی ہوئی ہے۔ گاندھی جی کی ستیہ گرہ تو ہم نے 1918ء یا 1919ء میں سنی ہے مگر ہم تو خود اپنے بچپن کے زمانہ میں کئی دفعہ ستیہ گرہ کیا کرتے تھے۔ بسا اوقات کسی بات پر خفا ہو کر ہم کھانا کھانا چھوڑ دیتے تھے اور گھر والے ہمیں منانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس ستیہ گرہ میں کئی دفعہ ہم اپنی بات ماں باپ سے منوا لیا کرتے تھے اور کئی دفعہ گاندھی جی کی طرح ہم شکست کھا کر روزہ توڑ دیا کرتے تھے۔ بہرحال یہ ایک ایسی چیز ہے کہ دنیا میں ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی ہے۔ پس اگر ماں باپ کے دلوں میں یہ رغبت نہیں پائی جاتی کہ وہ اپنے بچوں کو دین کی خدمت کے لئے پیش کریں تو کیوں بچے خود صحن میں ستیہ گرہ کر کے نہیں بیٹھ جاتے اور کیوں اپنے ماں باپ سے نہیں کہتے کہ آپ ہماری زندگیوں کو کیوں تباہ کرتے ہیں اور کیوں ہمیں خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے جانے نہیں دیتے۔ آخر کام تو سامانوں سے ہی ہوا کرتے ہیں۔ روحانی کام ہوں یا جسمانی سب میں اسباب اور سامان ضروری ہوتے ہیں۔ اس قانون کے مطابق ہمارے لئے بھی ضروری ہے کہ روحانی ترقی کے اللہ تعالیٰ نے جو سامان پیدا کئے ہیں ان سے فائدہ اٹھائیں اور ان کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اگر ہم ان سامانوں کو حاصل نہیں کرتے تو یقیناً ہم اپنی کامیابی کو دور پھینکتے چلے جاتے ہیں۔ خدائی کام تو بہرحال ہو کر رہیں گے اور اسلام دوسرے اَدیان پر ضرور غلبہ حاصل کرے گا۔ یہ وہ خدائی تقدیر

ہے جو کبھی ٹل نہیں سکتی۔ لیکن اگر ہم اسلام کے غلبہ اور اس کی فتح کے دن کو ہر قسم کے اسباب سے کام لے کر اپنے قریب نہیں کر سکتے تو کم از کم ہمیں اس دن کو اور زیادہ دور تو نہیں کرنا چاہئے۔

اس وقت ساری دنیا سے ہمیں آوازیں آ رہی ہیں اور لوگ پکار پکار کر ہم سے اپنی ضروریات کا مطالبہ کر رہے ہیں اور یہ آوازیں اتنی کثرت اور اس قدر تواتر کے ساتھ آ رہی ہیں کہ ہم ان کا جواب دیتے دیتے تھک گئے ہیں۔ آدمی ہمارے پاس نہیں کہ ہم مختلف ممالک کو مہیا کر سکیں اور مطالبات ہیں کہ وہ روز بروز بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ درجنوں آدمیوں کا افریقہ سے مطالبہ ہو رہا ہے اور درجنوں آدمیوں کی دوسرے غیر ممالک میں ضرورت ہے۔ ابھی سماٹرا اور جاوا کے راستے کھلنے والے ہیں اور وہاں ہمیں درجنوں آدمی بھجوانے کی ضرورت ہو گی۔ ان علاقوں سے جو خطوط آئے ہیں ان میں دوستوں نے لکھا ہے کہ ہم نے اس جنگ میں اپنی آنکھوں سے وہ نظارے دیکھے ہیں جن کا قیامت کے متعلق پہلے ہم خیال کیا کرتے تھے۔ ان نظاروں کو دیکھنے کے بعد اب ہم سمجھتے ہیں کہ احمدیت کی اشاعت کے لئے ہر قسم کی قربانی کرنا ہمارے لئے آسان ہے۔ پہلے ہمیں پتہ نہیں تھا کہ دنیا کن کن حالات میں سے گزرنے والی ہے لیکن اب جبکہ ان حالات کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے ہمیں اپنی زندگیاں بالکل حقیر معلوم ہوتی ہیں اور دنیا کا عیش اور آرام ہماری نگاہ میں بالکل بے حقیقت ہو گیا ہے کیونکہ ہم چار سال تک ایک دوزخ میں رہے ہیں اور ہم نے وہ نظارے دیکھے ہیں جنہوں نے دنیا کی محبت ہم پر سرد کر دی ہے۔ یہ وہ ممالک ہیں جن میں رہنے والوں کے دل بالکل ہلے ہوئے ہیں اور وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں زیادہ زور کے ساتھ اسلام اور احمدیت کی تبلیغ کی جائے۔ چنانچہ اب جوں جوں رستے کھلتے چلے جائیں گے ہمیں ان ممالک کی طرف زیادہ سے زیادہ لوگ بھجوانے پڑیں گے۔ اسی طرح یورپ اور دوسرے ممالک کے لئے بھی ہمیں درجنوں آدمیوں کی ضرورت ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں خود بخود ایسے سامان پیدا کر رہا ہے جو اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے لئے نہایت خوش کن ہیں اور آسمان سے ایک ایسی ہوا چل رہی ہے جو

لوگوں کے قلوب کو صداقت کی طرف مائل کر رہی ہے۔ ایک طرف افریقہ کے حبشیوں میں سے زیادہ سے زیادہ لوگ اسلام کے متعلق اپنی رغبت کا اظہار کر رہے ہیں تو دوسری طرف عربوں میں باوجود ان کی شدید مخالفت اور تکبر کے ایک طبقہ ایسا پیدا ہو رہا ہے جو احمدیت کے اصول کو درست سمجھتا اور اس کی تعلیم سے رغبت رکھتا ہے۔ ابھی گزشتہ دنوں ہماری جماعت کے ایک دوست مصر گئے تو انہوں نے اَزہر یونیورسٹی کے ایک بہت بڑے عالم سے جو وہاں کے وائس پریذیڈنٹ اور مفتیوں کی مجلس کے صدر ہیں سے سوال کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں وہ یہ دلائل دیتے ہیں۔ آپ بتائیں کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں؟ اس عالم نے بڑی دلیری سے جواب دیا کہ قرآن کریم سے تو یہی پتہ لگتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ نیز انہوں نے مُتَوَفِّيْكَ کے معنوں کے متعلق لکھا کہ جہاں تک ہم عرب لوگ اس لفظ کی حقیقت کو سمجھتے ہیں تَوَفِّیْ کے معنے قبضِ روح کے ہی ہیں۔ ان سے یہ بھی سوال کیا گیا تھا کہ اگر تَوَفِّیْ کے معنے موت کئے جائیں اور کہا جائے کہ قرآن کریم سے حضرت عیسیٰ کی وفات ثابت ہے تو اس سے احمدیہ جماعت کو تقویت پہنچے گی۔ انہوں نے بڑی دلیری سے اس کے جواب میں لکھا کہ مجھے احمدیت کے پھیلنے یا نہ پھیلنے سے کوئی غرض نہیں۔ اگر احمدیت پھیلتی ہے تو بے شک پھیل جائے قرآن کریم سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ اب دیکھو یہ کتنا دلیرانہ بیان ہے کہ ہر قسم کی ملامت سے بے خوف ہو کر انہوں نے کہہ دیا کہ دنیا خواہ کچھ کہے حقیقت یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں کیونکہ قرآن کریم سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ غرض ایک عظیم الشان تغیر ہے جو دنیا میں پیدا ہو رہا ہے اور ایک رَو ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے چلائی جارہی ہے۔ پچھلے سال ازہر یونیورسٹی کے ایک بہت بڑے عالم نے بیعت کی تھی۔ اب تازہ اطلاع یہ آئی ہے کہ ازہر یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے والے چار طلباء احمدی ہو گئے ہیں مگر انہوں نے کہا ہے کہ ہمارے نام ابھی ظاہر نہ کئے جائیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں یہاں سے نکال دیا جائے۔ ایک انگریز نَو مسلم کی

اطلاع ہے کہ چار نہیں چھ سات کے قریب طالب علم احمدی ہو چکے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک عظیم الشان رَو احمدیت کی تائید میں چل رہی ہے۔ ازہر وہ یونیورسٹی ہے جہاں تعلیم حاصل کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی شخص ان کو سکھانے والا نہیں ہو سکتا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ پچھلے سال سے ایک عجیب تغیر پیدا ہو رہا ہے۔ گزشتہ سال ایک شخص نے بیعت کی تھی اور اس سال چار طلباء نے بیعت کی ہے بلکہ انگریز نَو مسلم کی روایت کے مطابق چھ سات طلباء احمدی ہو چکے ہیں۔ ممکن ہے اصل حقیقت یہ ہو کہ چار نے بیعت کی ہو اور دو تین بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ بہرحال یہ بڑھتی ہوئی رفتار بتا رہی ہے کہ علم کا وہ منبع جو دنیا میں چوٹی کی حیثیت رکھتا ہے اس کے طلباء میں بھی یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ اگر ہمیں اپنی روح کی تسکین کی ضرورت ہے۔ اگر ہم نے دین کا علم صحیح طور پر حاصل کرنا ہے اور اگر ہمارا مقصد خدا تعالیٰ کا قُرب اور اس کی رضا کا حصول ہے تو یہ مقصد احمدیت کے سوا اور کہیں حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ رَو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں پیدا کی جا رہی ہے اور جس کے نتیجہ میں لوگوں کی توجہ ہماری طرف پھر رہی ہے اس کی وجہ سے ہماری ذمہ داریوں میں اَور بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ اور ہمارا فرض ہے کہ ہم آنے والے حالات کے لئے اپنے آپ کو پوری طرح تیار کریں اور اپنے پاس علماء کی ایسی جماعت تیار رکھیں جو ضرورت کے وقت ہم ان کی طرف روانہ کر سکیں۔ آخر یہ لازمی بات ہے کہ جب یہ آواز اَور زیادہ ممالک میں پھیلے گی۔ جب ازہر کے طلباء باہر نکلیں گے اور وہ لوگوں کو بتائیں گے کہ ہم احمدی ہیں تو لوگوں کی پیاس اور زیادہ بڑھنی شروع ہو جائے گی اور ان میں کُرید اور جستجو کا مادہ پہلے سے زیادہ ترقی کر جائے گا۔ وہ جو پہلے احمدیت کو تنفّر کی نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے اب محبت اور پیار سے دیکھنے لگ جائیں گے اور ان کے دلوں میں یہ احساس پیدا ہونا شروع ہو گا کہ آؤ ہم بھی دیکھیں احمدیت کیا چیز ہے۔ پھر جیسا کہ ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کی سنت چلی آتی ہے یہ بیج اِنْشَاءَ اللہ ترقی کرے گا اور زیادہ سے زیادہ بڑھتا چلا جائے گا۔ آج اگر چار یا سات ازہر کے تعلیم یافتہ آدمی احمدی ہیں تو کل یہ تعداد دس تک پہنچ جائے گی؟ پھر دس سے بیس تک پہنچ جائے گی۔ پھر بیس سے پچیس تک پہنچ جائے گی اور پھر پچاس سے سینکڑوں تک پہنچ جائے گی؟ اور اتنی بڑی تعداد میں ازہر کے تعلیم یافتہ

احباب کا احمدیت میں شامل ہونا یقیناً مصر میں ایک زلزلہ کے مترادف ہو گا۔ کیونکہ مصر ہمیشہ دعویٰ کرتا ہے کہ جامعہ ازہر دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی ہے اور جامعہ ازہر دنیا کے تمام مسلمانوں کی حفاظت کا کام سرانجام دے رہی ہے۔ اس دعویٰ کے ساتھ جب لوگوں میں یہ بات پھیلنی شروع ہوئی کہ ازہر کے طلباء اور علماء سب احمدی ہوتے چلے جارہے ہیں تو یہ اتنا بڑا زلزلہ ہو گا کہ مَیں سمجھتا ہوں مصر میں اتنا بڑا زلزلہ پچھلے ہزار سال میں بھی نہیں آیا ہو گا۔ لوگ حیران ہوں گے کہ احمدیت کیا چیز ہے اور کیوں لوگوں میں اس کی قبولیت زیادہ سے زیادہ بڑھتی چلی جارہی ہے۔ ایسے حالات میں یہ لازمی بات ہے کہ جب احمدیت کی آواز ارد گرد کے علاقوں میں پھیلے گی اور لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گی کہ جامعہ ازہر میں پڑھنے والے احمدی بن رہے ہیں تو اَور ہزاروں لوگوں اور ارد گرد کے تمام علاقوں میں بھی جستجو پیدا ہو گی کہ آؤ ہم بھی دیکھیں وہ کونسی چیز ہے جس نے ازہر پر بھی غلبہ پانا شروع کر دیا ہے۔ ہم بھی اس کی تحقیق کریں اور معلوم کریں کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ اس وقت جب لوگ ہم سے مطالبہ کریں گے کہ آپ اپنے آدمی بھجوائیں جو ہمیں احمدیت کی حقیقت سمجھائیں۔ کیا چیز ہے جو ہم ان کو پیش کریں گے ؟ کیا ہم ان کو یہ کہلا کر بھیجیں گے کہ ابھی ہم اپنے امراء میں جوش پیدا کر رہے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو دینی تعلیم کے لئے مدرسہ احمدیہ میں داخل کریں۔ جب امراء کی اصلاح ہو جائے گی اور وہ اپنے لڑکوں کو مدرسہ احمدیہ میں بھجوانا شروع کر دیں گے تو ہم پہلے چار سال ان کو مدرسہ احمدیہ میں تعلیم دلوائیں گے پھر جامعہ احمدیہ میں تعلیم دلوائیں گے اور پھر ایک عرصہ کے بعد جب ہمارے پاس علماء تیار ہو جائیں گے تو ہم انہیں تمہارے پاس بھجوا دیں گے ؟ اگر ہم ان کو یہ جواب دیں گے تو ہمارا یہ جواب ایسا ہی ہو گا جیسے کہتے ہیں کہ ایک امیر کے پاس کوئی فقیر آیا اور اس نے کچھ صدقہ مانگا۔ وہ امیر تھا بخیل، اس نے اپنے نوکر کو آواز دی اور پھر اپنی عظمت اور جلال کے اظہار کے لئے بڑے بڑے نام لینے شروع کر دیئے اور کہا کہ اے ہیرے! تُو موتی سے کہہ اور اے موتی! تُو زمرد سے کہہ اور اے زمرد! تُو سونا سے کہہ اور اے سونے! تُو چاندی سے کہہ اور اے چاندی! تُو اِس فقیر کو کہہ کہ جا چلا جا میرے پاس کچھ نہیں۔ نام تو اس نے کتنے ہی لئے مگر آخر میں کہہ دیا کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ یہی ہم کریں گے

کہ جس جس ملک سے مبلغین کا مطالبہ ہو گا ہم اس بخیل امیر کی طرح انہیں یہی کہہ سکیں گے کہ ابھی ہم اپنی جماعت کے دوستوں کو تیار کر رہے ہیں اور ان کے دلوں میں ایمان پیدا کر رہے ہیں، جس دن ان کے دلوں میں ایمان پیدا ہو گیا اور انہوں نے ہماری تحریک پر لبیک کہا ہم تمہاری ضروریات کو پورا کرنے کا انتظام شروع کر دیں گے۔ کیا وہ ہمیں یہ جواب نہیں دیں گے کہ اگر تم ابھی اپنی جماعت میں ایمان ہی پیدا کر رہے ہو تو ہم نے کیوں بیوقوفی کی کہ تمہارے پاس آئے؟ ہم نے تو سمجھا تھا کہ تمہارے پاس ایمان ہے۔ ایسی صورت میں دنیا ہمارے ان فقرات کا وہی جواب دے گی جو اس فقیر نے امیر کو دیا تھا۔ جب امیر نے اپنے نوکروں کے بڑے بڑے نام لے کر کہا کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ تو وہ فقیر کہنے لگا اے خدا! تُو جبرائیل سے کہہ اور اے جبرائیل! تُو اسرافیل سے کہہ اور اَے اسرافیل! تُو میکائیل سے کہہ اور اے میکائیل! تُو عزرائیل سے کہہ، وہ اس بخیل امیر کی جان نکال لے۔ ہم کو بھی دنیا کی طرف سے ایسا ہی جواب ملے گا اور ہم شرمندہ ہوں گے کہ ہم نے ان کے مطالبہ کو پورا نہ کیا۔ پس ہمیں ہر وقت تیار رہنا چاہئے تا جب بھی غیر ممالک کی طرف سے کوئی مطالبہ آئے ہم فوراً اس مطالبہ کو پورا کر سکیں۔

یاد رکھیں! مومن جماعت وہ ہوا کرتی ہے جس کے سپاہی ہر وقت تیار کھڑے رہتے ہیں۔ صرف دروازہ کھلنے کی دیر ہوتی ہے۔ دروازہ کھلتا ہے تو وہ اندر پہنچ جاتے ہیں۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ دروازے کھل رہے ہیں اور ہم سپاہیوں کو بھرتی کرنے کی فکر میں اِدھر اُدھر پھر رہے ہیں۔ مَیں جماعت کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ ایسے نازک موقع پر مومنوں کو غداری سے کام نہیں لینا چاہئے۔ آج ہر شخص کو چاہئے کو وہ آگے بڑھے اور اسلام کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دے۔ مگر چونکہ ہر شخص پہلے دن ہی اسلام کی خدمت نہیں کر سکتا بلکہ یہ ضروری ہوتا ہے کہ اسے کچھ مدت تک تعلیم دلائی جائے اس لئے ہم پہلے کچھ عرصہ تک انہیں دینی تعلیم دلائیں گے اور پھر اصل کام پر مقرر کریں گے۔ بہرحال ماں باپ کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو جو میٹرک پاس ہوں یا مڈل پاس دین کی خدمت کے لئے ہمارے سامنے پیش کریں۔ ان میں سے بعض کو مدرسہ احمدیہ میں اور بعض کو جامعہ احمدیہ کی سپیشل کلاس میں

داخل کیا جائے گا تا کہ ان کو جلد سے جلد دین کی خدمت کے لئے تیار کیا جا سکے۔ جب یہ نوجوان تعلیم حاصل کر لیں گے تو ہم اس دن کا انتظار کریں گے جب باہر سے مطالبات آئیں اور ہم ان کو بیرونی ممالک میں اعلائے کلمۂ اسلام کے لئے بھجوا سکیں۔ لیکن اس کے علاوہ ہمیں فوری طور پر بھی ایسے گریجوایٹوں اور مولوی فاضلوں کی ضرورت ہے جن کو قلیل سے قلیل عرصہ میں کاموں پر لگایا جا سکے۔ اس وقت ہمیں کئی قسم کے کارکنان کی ضرورت ہے مگر آدمیوں کی قلّت کی وجہ سے ہمارے بہت سے کام ادھورے پڑے ہوئے ہیں۔ اگر مولوی فاضل یا گریجوایٹ ہمیں مل جائیں تو ہم اس قسم کی ضروریات کو آسانی کے ساتھ پورا کر سکتے ہیں۔

پس مَیں آج کے خطبہ کے ذریعہ ایک دفعہ پھر جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اس وقت ہماری بیچارگی حد سے بڑھی ہوئی ہے اور ہماری حالت اُحد کے ان مُردوں کی طرح ہو رہی ہے جن کے کفن کے لئے اتنا تھوڑا کپڑا تھا کہ اگر ان کے سر ڈھانکتے تھے تو پیر ننگے ہو جاتے تھے اور اگر پیر ڈھانکتے تھے تو سر ننگے ہو جاتے تھے۔ ہم ایک جگہ اپنا مبلغ بھجواتے ہیں تو دوسری جگہ کی مانگ کو پورا نہیں کر سکتے۔ دوسری جگہ کی مانگ کو پورا کرتے ہیں تو پہلی طرف سے ہمیں غافل رہنا پڑتا ہے۔ پس آج انتہائی ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ نوجوان جو مولوی فاضل یا گریجوایٹ ہیں اپنے آپ کو خدمتِ سلسلہ کے لئے پیش کریں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بہت سے مولوی فاضل اور گریجوایٹ اپنی زندگیاں وقف کر چکے ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ پھر بھی ابھی بعض مولوی فاضل اور گریجوایٹ چھپے بیٹھے ہوں اور انہوں نے اسلام کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش نہ کیا ہو۔ کہتے ہیں جب مرتبان میں سے دوائی ختم ہو جاتی ہے تو تلاش کرنے سے اس کے کونوں میں سے کچھ نہ کچھ نکل آیا کرتی ہے۔ پس بے شک بہت سے گریجوایٹ اور مولوی فاضل جو ہماری جماعت میں پائے جاتے تھے اور جو اس کام کے لئے فارغ ہو سکتے تھے ختم ہو چکے ہیں اور اب ایک دو سال تک ہمیں نئے گریجوایٹوں اور مولوی فاضلوں کا انتظار کرنا ہو گا۔ لیکن پھر بھی ممکن ہے کہ ابھی بعض گریجوایٹ اور مولوی فاضل رہتے ہوں جنہوں نے دین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش نہ کیا ہو۔ اور کچھ ایسے گریجوایٹ اور مولوی فاضل بھی ہو سکتے ہیں جو اس سال امتحان دینے والے ہوں۔ بہر حال جو بچے کھچے مولوی فاضل

اور گریجوایٹ ہوں، اسی طرح وہ گریجوایٹ اور مولوی فاضل جو اس سال امتحان دینے والے ہوں ان سب کو چاہئے کہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے اسلام کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کریں۔ اگر پچھلے سالوں کے مولوی فاضل اور گریجوایٹ اور کچھ ایسے مولوی فاضل اور گریجوایٹ ہمیں مل جائیں جو اس سال امتحان دینے والے ہوں تو ہم ان سب کو تیار کر کے اس دن کا انتظار کر سکتے ہیں جس دن ہمیں زیادہ شان اور زیادہ زور کے ساتھ دشمن پر دھاوا بولنا پڑے گا۔ آخر یہ کام نہ چند روپوں کا ہے نہ چند افراد کا ہے۔ جس طرح جرمنوں اور انگریزوں کی جنگ میں کئی کروڑ فوجی شامل ہوئے تھے اسی طرح اس روحانی جنگ میں بھی ہمیں کروڑوں افراد دھکیلنے پڑیں گے۔ بے شک ہماری موجودہ حالت ایسی نہیں کہ ہم اس جنگ میں کروڑوں افراد دھکیل سکیں لیکن ہمیں کام تو ایسے رنگ میں کرنا چاہئے کہ ایک دن کروڑوں تک پہنچ جانے کی امید کی جا سکے۔ بہر حال جب تک وہ دن نہیں آتا ہمارا فرض ہے کہ ہمارے پاس موجودہ وقت میں جو انتہائی طاقت ہے اسے صَرف کر دیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور سُرخرُو ہو جائیں۔ اگر ہم اس وقت اپنی انتہائی طاقت خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت اور اس کے کلمہ کے اعلاء کے لئے صَرف کر دیں گے تو ہماری یہ انتہائی طاقت اس بات کی ضامن ہو گی کہ جس دن ہمارے پاس کروڑوں افراد آئیں، اس دن ہم اپنے کروڑوں افراد بھی اس خدمت کے لئے پیش کر دیں گے اور اس میں ایک لمحہ کا بھی تامّل نہیں کریں گے۔ دنیا محض الفاظ پر تسلی نہیں پا سکتی۔ وہ ہمارے عمل کو دیکھتی اور اس سے نتائج اخذ کرتی ہے۔ اگر ہم اپنے اندر جنون کا رنگ پیدا کر کے دنیا کو دکھا دیں گے اور اگر ہم پاگلوں کی طرح ان کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کے لئے بیتاب پھر رہے ہوں گے تو ان کی روح مطمئن ہو گی۔ وہ تسلی سے بیٹھ جائیں گے اور کہیں گے انہوں نے اپنے دل نکال کر ہماری طرف پھینک دیئے ہیں، انہوں نے اپنے جگر نکال کر ہماری طرف پھینک دیئے ہیں، انہوں نے اپنی انتڑیاں نکال کر ہماری طرف پھینک دی ہیں۔ اس سے زیادہ قربانی کی ہم ان سے امید نہیں کر سکتے۔ یہ ایک ایسا خوشکن احساس ہو گا جس کے ماتحت وہ تسلی سے بیٹھ جائیں گے اور انہیں ہمارے متعلق کوئی شکوہ پیدا نہیں ہو گا۔ لیکن اگر وہ دیکھیں گے کہ ہم آرام سے بیٹھے ہیں اور ان کی ضروریات پورا کرنے کا ہمیں کوئی فکر نہیں۔ تو لازماً دو صورتوں میں سے ایک صورت

ضرور رونما ہو گی۔ یا تو وہ اپنے کفر پر تسلی پا کر بیٹھ جائیں گے اور یا ایک نئی قسم کی احمدیت ایجاد کر کے اپنے اندر داخل کر لیں گے۔ اور یہ دونوں باتیں نہایت خطرناک نتائج پیدا کرنے والی ہیں۔

پس دونوں گروہوں کو اپنی ذمہ داری سمجھنی چاہئے۔ بڑوں کو بھی چاہئے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھیں اور نوجوانوں کو بھی چاہئے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھیں۔ ماں باپ کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے فرائض کا احساس کریں اور بچوں کو بھی چاہئے کہ وہ اپنی آئندہ زندگی کا فکر کریں تا کہ پیشتر اس کے کہ ہم پر وہ شرمندگی کا دن آئے کہ جماعتیں ہم سے آدمی طلب کریں اور ہم ان کی مانگ پورا کرنے سے قاصر ہوں۔ غیر ممالک کی طرف سے مبلغین کا مطالبہ ہو اور ہم کہیں کہ ہمارے پاس کوئی مبلغ نہیں۔ ہم اپنے آپ کو پوری طرح تیار کر لیں اور دنیا کی ضروریات پورا کرنے کا ہمارے پاس مکمل سامان موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ لوگوں کی امداد کرے اور آپ کے ایمان اور اخلاص میں برکت پیدا کرے تا کہ اس اہم کام کی طرف آپ متوجہ ہوں اور دین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کر کے آپ لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی حاصل کریں۔" (الفضل یکم مئی 1946ء)

1: مسلم کتاب الجهاد باب رد المهاجرين الى الانصار منائحهم (الخ)

2: ترمذی کتاب البر و الصلة باب ما جاء فی مواساة (الاخ)

3: تذکرہ صفحہ 484 ایڈیشن چہارم